فصل ششم

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

اسلام کے ذریعے دنیا میں جو انقلاب برپا ہوا وہ یقیناً چشم فلک کے لیے اپنی نوعیت کا ایک منفرد اور بے مثل مظاہرہ تھا۔ بھٹکے ہوئے انسان کو اپنے رب سے جوڑنے کا کام یقیناً عرق ریزی اور جان جوکھوں میں ڈالنے والا تھا۔ ایک ایسا ہمہ گیر انقلاب جس نے ہر شعبہ زندگی کو متاثر کیا۔ فکر ونظر، تہذیب و معاشرت، قانون و سیاست غرض زندگی کا ہر شعبہ دین کے تابع کر دیا۔ رنگ و نسل کے بندھنوں کو توڑتا انقلاب جغرافیائی حدود سے نا آشنا تھا۔ جہاں عقیدہ وفکر کی قوت سے مالا مال انقلاب دلوں کو مسخر کر رہا تھا وہیں سیاسی طور پر حاصل ہونے والی قوت نافذہ کے ذریعے اپنے اصول ونظریات کو معاشرے میں جاری و ساری کر رہا تھا۔ کامیابی کی منزلیں طے کرتا یہ انقلاب پوری دنیا میں غلبہ حاصل کر رہا تھا۔ یہ صورت حال اس وقت تک رہی جب تک عقیدہ وفکر میں کمزوری پیدا نہ ہوئی۔ لیکن پھر غلبہ اور وسعت کے ساتھ ساتھ اس میں بھی کمزوری پیدا ہونا شروع ہوگئی اور اس کے اثرات مختلف شعبوں میں ظاہر ہونا شروع ہوئے۔ حکومت و سیاست پر اسلام کی گرفت کمزور ہونا شروع ہوگئی۔

مسلمانوں کی تاریخ میں 18 ویں اور 19 ویں صدی بڑی ہنگامہ خیز رہیں۔ اس دوران میں بہت سی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ ایک طرف یورپ یا مغرب نئے افکار، نئی سائنسی تحقیقات اور جدید ٹیکنالوجی کے ساتھ سیاسی قوت کے طور پر دنیا کے نقشے پر اُبھر رہا تھا تو دوسری طرف مسلمان مغرب کے افکار وعزائم سے خوفزدہ دینی اور اخلاقی زوال کی جانب گامزن تھے۔ اس وقت نجانے یہ سلسلہ کیا برگ و بار لاتا اور مسلمانوں کی پستی اور دین سے دوری کہاں جا پہنچتی کہ مسلمانوں میں تجدید و احیائے دین کی ضرورت محسوس ہوئی اور اس سلسلے کی کوشش کا آغاز ہوا۔ ایسی اسلامی تحریکیں اور شخصیات پیدا ہوئیں جنہوں نے اُمت کے اندر دینی بیداری اور اسلامی شعور کو بیدار کرنے کا فریضہ انجام دیا۔

ایک طرف شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کی اصلاحی و دعوتی تحریک تھی جس نے بدعات وخرافات کو ختم کر کے حقیقی توحید اور قرآن وسنت سے لوگوں کو جوڑنے کی کوشش کی تو دوسری طرف شیخ محمد بن علی سنوسیؒ کی تحریک تھی جس نے تربیت گاہوں کے ذریعے لوگوں کو قدیم وجدید علوم سے آشنا کر کے جدید یورپ کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار کیا۔ ہندوستان میں سید احمد شہیدؒ کی تحریک مجاہدین نے بھی ہندوستان کے مسلمانوں میں خالص توحید اور اتباع سنت کا جذبہ بیدار کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ امام حسن البنا شہیدؒ کی **اخوان المسلمون** نے اسلام کو جامد مذہب کی جگہ ایک انقلابی فکر کی حیثیت سے پیش کیا۔ اس کے لیے انہوں نے افراد کی علمی اور عملی تربیت کی اور انہیں تیار کیا۔ اس تحریک کو شدید آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا اور خود بانی تحریک نے مظلومانہ شہادت پائی۔

یہ تحریک آج بھی عالم اسلام کی ایک تسلیم شدہ قوت ہے لیکن جس تحریک نے بہت مختصر عرصے میں عالم اسلام کو اپنی جانب متوجہ کیا وہ تحریک اسلامی ہے جس کے اثرات آج کرۂ ارض کے کم و بیش ہر خطے میں محسوس کیے جاتے ہیں۔ ان تحریکوں کے ظہور اور ارتقائی جائزے میں چند شخصیات بہت نمایاں نظر آتی ہیں جن کی کلیدی حیثیت ہے ان میں سید ابوالاعلیٰ

مودودیؒ کو ایک منفرد اور ممتاز مقام حاصل ہے۔

مولانا مودودیؒ کی ساری شعوری زندگی تجدید و احیائے دین کے کام میں گزری لیکن اپنے مجدد ہونے کا کبھی اشارہ تک نہ دیا بلکہ سید سلیمان ندویؒ کے ایک خدشے کے جواب میں سیدؒ نے لکھا:

> ''کسی کا اپنے کام کو تجدیدی کام یا کوشش کہنا جبکہ وہ فی الواقع تجدید حق کی غرض سے کر رہا ہو اس کے معنی یہ نہیں کہ وہ مجدد ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے اور اس صدی کا مجدد بننا چاہتا ہے۔ کم ظرف لوگ بے شک تھوڑا کام کر کے اونچے کام کا دعویٰ کرنے لگتے ہیں بلکہ کام کا ارادہ ہی دعوے کی شکل میں کرتے ہیں لیکن ذی فہم آدمی سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ کام کے بجائے دعویٰ کرے گا''۔[۱]

20ویں صدی میں بہت سے لوگوں نے اسلام کی خدمت کی اور ان کے کام کو تجدید کا کام ہی سمجھنا چاہیے۔ اس کام کے لیے کئی شخصیات کے نام لیے جاسکتے ہیں۔ لیکن جس شخصیت کا کام تجدید کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ بلا شبہ وہ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ ہی کی شخصیت ہے۔

سید مودودیؒ کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے قرآن وسنت کو تحریک اور اُمت کے لیے ہدایت اور روشنی کے منبع کے طور پر پیش کیا اور اِس کسوٹی پر حال اور ماضی کو پرکھنے کا درس دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تحریک کوئی مذہبی فرقہ یا مسلک نہیں ہے، بلکہ اس نے سب فرقوں اور مسالک کو قرآن وسنت کی بنیاد پر ایک قوت میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ ہر دور میں انسانوں کو اپنے پیغام کی تجدید اور تنفیذ کا ذریعہ بناتا ہے۔ چنانچہ ایسے برگزیدہ انسانوں کا ذکر اور ان کی خدمات کا اعتراف بھی ایک فطری امر ہے جو کارِ عظیم کے لیے انسانوں کو اُٹھانے، منظّم و متحرک کر کے پھر ایک متعین راہ عمل میں گامزن ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔

سید مودودیؒ کی تحریر میں بڑی تازگی، قوت اور توانائی پائی جاتی ہے۔ دورِ جدید کے ذہن کو سمجھنے اور اِس کی علمی سطح سے بات کرنے میں سیدؒ صاحب کو غیر معمولی صلاحیت حاصل تھی اور اللہ تعالیٰ کا یہ بڑا فضل و کرم سید صاحب پر رہا کہ ان کی یہ صلاحیت اول روز سے دین کی خدمت اور سربلندی کے لیے وقف رہی۔ آغاز شباب سے آخری لمحات تک کوئی اور ہدف ان کی نگاہوں کو خیرہ نہ کر سکا۔ ان کے قلم نے بہت سے اُلجھی گتھیوں کو سلجھا دیا۔ نت نئے اعتراضات کو ختم اور شکوک و شبہات کے گرد و غبار کو صاف کر کے دین کے صحیح تصور کو اُبھارا۔ انہوں نے اسلام کو دور جدید میں دنیا کا برتر نظام فکر و عمل اور آخرت کی نجات کا واحد راستہ ثابت کرنے کی کامیاب کوشش کر کے ان لوگوں کی دانش وری کا بھرم کھول دیا جو اسلام کو بحیثیت نظام ناقابلِ عمل اور فرسودہ نظام قرار دے رہے تھے۔

اپنے زور بیان اور قوت استدلال سے اسلام کی بہت عمدہ وکالت کی اور ترجمانی کا فریضہ انجام دیا۔ سید مودودیؒ نے مغرب اور اس کی طرزِ معاشرت کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا۔ اس کی خامیوں کو نمایاں کیا تاکہ ذہنوں میں اس کے متعلق جو مرعوبیت ہے اس کو ختم کیا جاسکے۔ انہوں نے ثابت کیا کہ مغربی افکار اور اس کی تہذیبی اقدار کی اساس اتنی کمزور ہے کہ اس

۱۔ ترجمان القرآن جنوری فروری ۱۹۴۲ء

پر کوئی اعلیٰ تہذیب کھڑی نہیں ہوسکتی۔

الغرض یہ کہنا بالکل بجا ہوگا کہ سید مودودیؒ کے کارنامے پر نگاہ ڈالی جائے تو یہ بات بڑی واضح نظر آتی ہے کہ انہوں نے پہلے دن یہ بات محسوس کر لی تھی کہ ان کے دور کے مسلمانوں کی بڑی ضرورت تصور دین کی اصلاح ہے۔ مختلف خارجی اور داخلی اسباب کے نتیجے میں خود مسلمان زندگی کی مختلف خانوں میں تقسیم نمایاں ہو چکی تھی۔ انہوں نے دین کو گھر مسجد اور زیادہ سے زیادہ مدرسے اور چند مذہبی رسومات تک محدود کر لیا تھا اور اس پر راضی ہوگئے تھے۔ دین کے اس تصور پر کاری ضرب وقت کی ضرورت تھی تاکہ قرآن کا تصور دین اور نبی اکرمؐ کا برپا کردہ انقلاب کا تصور ایک بار پھر کسی کمی اور بیشی کے بغیر ان کے سامنے رکھا جائے اور مولانا محترمؒ نے اس کی کامیاب سعی کی۔ مذہب کو نجی معاملہ قرار دینے کی پوری قوت سے مخالفت کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ نے لکھا کہ خدا ہی تو ہماری پوری زندگی کا جائز حکمران ہے اور اسلام ہی تو وہ انقلابی فکر ہے جو پوری زندگی پر حکومت کرتی ہے اور کسی دوسرے کو شریک اقتدار کرنے پر تیار نہیں ہے۔

مولانا مودودیؒ نے قرآن وسنت کو کسوٹی قرار دے کر عالم اسلام کو دین کے تصور حقیقی سے آشنا کر کے درحقیقت ایک بڑا کارنامہ انجام دیا یہی وجہ ہے کہ آج مولانا کا پیش کردہ نظریہ اس کی مخالفت کرنے والوں کے دلوں میں بھی جاگزین ہو چکا ہے۔ ان کا جملہ۔ ''اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے'' آج ان تمام مخالفین کا بھی نعرہ بن چکا ہے جو اس کی تہہ میں پوشیدہ تعبیر دین اور اِس کی نظام فکر سے ناواقف ہیں۔ مولاناؒ نے جس طرح قرآن وسنت سے مضبوط رشتہ قائم رکھتے ہوئے مشکلات پر غور وفکر کیا، وہ ان کی اجتہادی بصیرت عملی دیانت اور مسائل و معاملات میں ان کے صحیح شعور کے ادراک کا ثبوت ہے۔

11 ستمبر 2001ء کے واقعے کے بعد جو کتابوں کا ریلا آ رہا ہے اور اسلامی فکر پر 'مسلم انتہا پسندی'، 'سیاسی اسلام' 'عسکری اسلام' حتیٰ کہ 'اسلامی دہشتگردی' کے عنوانات سے جو یلغار جاری ہے اس میں ہر صاحب قلم اپنے تجزیوں اور جائزوں میں سید مودودیؒ کو نشانہ بنانے میں کوئی 'کوتاہی' نہیں کر رہا۔ آج اسلام کی تہذیبی قوت اور مسلمانوں کی احیائی تحریکوں پر یلغار کرنے والے عالم اسلام کی جن شخصیات کو بحث کا مدار و مرکز بنا رہے ہیں ان میں سید مودودیؒ سرِ فہرست ہیں۔ ایک طرف مغرب یا مغرب زدہ مخالفین ان کے افکار کو فتنے کی جڑ بتاتے ہیں تو دوسری جانب اسلام کے بہی خواہ جس تبدیلی پر فخر کر رہے ہیں اور جس سرمائے کی حفاظت کے لیے کوشاں ہیں وہ گواہی دیتے ہیں کہ اس قیمتی امانت کو امت کے لیے حرز جان بنانے میں سید مودودیؒ کی خدمات کتنی بھرپور اور فیصلہ کن ہیں۔ یہی وہ کارنامہ ہے کہ جس کی بنیاد پر وہ مغرب جو اُمت مسلمہ کو بیمار اور بے کار سمجھ کر اس کی تجہیز و تکفین کی تیاریاں کر رہا تھا، وہ اُمت اُسے پھر عالمی خطرہ دکھائی دے رہی ہے اور انہیں اب تہذیبوں کے تصادم کا خطرہ نظر آنے لگا ہے۔ بہر حال مولانا مودودیؒ کی خدمات برسوں کی تحقیق کی محتاج ہیں اور آنے والی نسلیں ان کی گہرائی انفرادیت اور وسعت کی بنا پر ان سے روشنی حاصل کرتی رہیں گی۔

یہاں ہم مولانا مودودیؒ کی مغربی تہذیب کی جانب سے فکری یلغار جس کا ہدف مسلمانوں کی تہذیب اور خاندانی نظام ہیں' کے سلسلے میں خدمات کا جائزہ لیں گے۔

۱۔ ترجمان القرآن جنوری فروری ۱۹۴۲ء

تہذیب اور اس کے عناصر ترکیبی

مولانا مودودیؒ نے تہذیب کے عناصر ترکیبی بیان کرتے ہوئے پانچ چیزوں کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

جن چیزوں کا کسی تہذیب میں کھوج لگانا ضروری ہے، اس تہذیب میں انسان کی حیثیت کیا ہے؟ اس تہذیب کا دنیا سے کیا تعلق ہے؟ اس کا تصور حیات کیا ہے؟ انسان کا مقصد زندگی کیا ہے؟ وہ کون سا منشا ہے جس کو انسان نے ہر کوشش اور سعی میں اپنا مطمح نظر رکھنا ہے۔

مولانا انسانی زندگی پر تہذیب کے اثرات کو بھی بہت اہمیت دیتے ہیں۔ یہ تہذیب انسان کے دل و دماغ میں کس قسم کے خیالات جاگزیں کرتی ہے؟ اس میں وہ کون سے بنیادی محرکات ہیں جو اُسے کسی مخصوص قسم کی عملی زندگی کے لیے اُبھارتے ہیں؟ وہ کون سی اخلاقی خصوصیات ہیں جو مذکورہ تہذیب انسان کے اندر پیدا کرتی ہے؟ اس تہذیب میں انسان اور انسان کا تعلق کن بنیادوں پر قائم ہے اور اس تعلق کی حیثیتوں کو کس طرح قائم کیا گیا ہے۔

تہذیب کے تکوینی عناصر

مولانا مودودیؒ نے تہذیب کو پانچ تکونی عناصر میں ترتیب دیا ہے جس میں دنیوی زندگی کا تصور، نصب العین، اساسی عقائد، تربیت افراد اور اجتماعی نظام شامل ہیں۔ تہذیب کے تکوینی عناصر بیان کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ تفصیل سے اسلامی تہذیب کے نصب العین اور منفرد خصوصیات کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> نصب العین کا سوال درحقیقت تصور حیات کے سوال سے ایک گہرا تعلق رکھتا ہے۔ ہم دنیوی زندگی کے متعلق جو تصور رکھتے ہیں، اور دنیا میں اپنی حیثیت اور اپنے لیے دنیا کی حیثیت کا جو نظریہ ہمارے ذہن میں ہے، وہی فطری طور پر زندگی کا ایک نصب العین پیدا کر دیتا ہے، اور ہم اپنی تمام قوتیں اسی نصب العین کی تحقیق کی راہ میں صرف کرنے لگتے ہیں۔[۲]

یہ وہ نصب العین ہے جو اس تصور حیات سے خود عقل اور فطرت پیدا کرتی ہے اور کسی ادنیٰ فرق کے بغیر ٹھیک یہی نصب العین ہے جو اسلام نے انسان کے سامنے پیش کیا ہے۔ قرآن مجید کے ارشادات کا تتبع کرنے سے آپ کو معلوم ہوگا کہ طرح طرح سے اس کتاب میں نصب العین کو ذہن نشین کرنے اور قلب و روح میں بٹھا دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

نصب العین کی خصوصیات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے مولانا مودودی لکھتے ہیں:

> انسان کے لیے بحیثیت ایک عقلی وجود کے صرف اتنی کسر رہ جاتی ہے کہ وہ اپنے اس طبیعی نصب العین کا شعور بھی حاصل کرلے اور عقل و فکر کے ساتھ اس کو سمجھ کر اپنے ارادوں اور اپنی نیتوں اور اپنی سعی و عمل کا رخ بھی اسی کی طرف پھیر دے۔ اس صورت میں اس کا عقلی نصب العین اس کے اور تمام موجودات کے طبیعی نصب العین کے ساتھ ہم آہنگ ہو جائے گا۔ جہاں ہستی کے سارے لشکر اور نظام وجود کے سب کل پرزے اسی مقصود تک پہنچنے میں ان کا ساتھ دیں گے۔ اور وہ اپنے عقلی مرتبے کے لحاظ سے

۲۔ ابوالاعلیٰ مودودیؒ، اِسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی، ص ۶۳، ۶۴

اس عظیم الشان قافلے کا سالار اور امام ہوگا۔[۳]

نصب العین میں فکر و عمل کی یکسوئی بیان کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ جس طرح اس نصب العین نے اسلام کے نظام دینی میں مرکزیت، یکسوئی، اور ضبط و نظم کی قوت پیدا کی ہے، اسی طرح یہ انسان کے افکار و خیالات، ارادات و نیات، اور عقائد و اعمال میں بھی کامل یکسوئی پیدا کر دیتا ہے اور یکسوئی کے ساتھ یہ اس کو ایک ایسے بلند مطمح نظر اور ایک ایسے اعلیٰ و ارفع مقصد کی طرف ہمہ تن متوجہ کر دیتا ہے جس سے زیادہ بلند اور عالی شان اور رفیع المنزلت کوئی مقصد اور مطمح نظر نہیں ہوسکتا۔

> کیونکہ ہم جتنے عقلی اور عملی مراتب کا تصور کر سکتے ہیں، خدا کی ذات ان سب سے اعلیٰ و ارفع ہے، اور اس کے باوجود ادنیٰ سے ادنیٰ مرتبے سے لے کر بلند سے بلند مرتبے تک ہر ایک کے ساتھ اس کا تعلق یکساں ہے۔ اگر فرق ہے تو وہ محض ہمارے تعقل و شعور کے مراتب کے لحاظ سے ہے۔[۴]

نصبُ العین کی مزید خصوصیات پر وہ لکھتے ہیں:

> حقیقت یہ ہے کہ نسل، رنگ، زبان اور جغرافی حدود کے امتیازات کو مٹا کر ایک عالمگیر قومیت کی تعمیر، اور ایک بین الاقوامی انسانی جمعیت کی شیرازہ بندی کے لیے جس مرکزی تخیل کی ضرورت ہے، وہ اس نصبُ العین میں بدرجۂ اتم موجود ہے۔ اس قسم کی جہانگیر تہذیب کے لیے اس سے بہتر نصبُ العین اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وہ ایک طرف فرد کی انفرادیت کو بالکل فنا بھی نہیں کرتا، اور دوسری طرف انفرادیت کے تمام دافع المرکز میلانات کو مٹا کر اسے ایک خالص بشری اجتماعیت میں پوری طرح ضم بھی کر دیتا ہے۔[۵]

نصبُ العین کا تقویٰ سے تعلق پر ان کا کہنا ہے کہ ایک اور خصوصیت اس نصبُ العین کی یہ ہے کہ اسلام نے پرہیز گاری اور نیکوکاری کا جو اعلیٰ معیار قائم کیا ہے، اور اس کے لیے اوامر و نواہی کا جو ضابطہ پیش کیا ہے، اس کے اتباع پر انسان کو آمادہ کرنے کے لیے صرف یہی نصبُ العین ایک شریف اور پاکیزہ نصبُ العین ہوسکتا ہے۔

تہذیب اسلامی کا خاکہ

تہذیب کی تاسیس میں ایمان کی اہمیت کے بعد اسلامی تہذیب میں ایمان کے حوالے سے مولانا مودودیؒ بیان کرتے ہیں:

> اِس تہذیب کا نظام ایک سلطنت کا سا نظام ہے۔ اس میں خدا کی حیثیت عام مذہبی تصور کے لحاظ سے محض ایک 'معبود' کی سی نہیں ہے، بلکہ دینوی تصور کے لحاظ سے وہی حاکم مطلق بھی ہے۔ وہ دراصل اس سلطنت کا شہنشاہ ہے، رسولؐ اس کا نمائندہ ہے، قرآن اس کی کتاب آئین ہے، اور ہر وہ شخص جو اس کی شہنشاہی کو تسلیم کرکے اس کے نمائندے کی اطاعت اور اس کی کتاب آئین کا اتباع کرنا قبول

۳۔ اِسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی، ص ۷۱
۴۔ اِسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی، ص ۷۳، ۷۴
۵۔ اِسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی، ص ۷۶

کرے، اس سلطنت کی رعیّت ہے۔ مسلمان ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس شہنشاہ نے اپنے نمائندے اور اپنی کتاب آئین کے ذریعے سے جو قوانین مقرر کر دیے ہیں ان کو بے چون و چرا تسلیم کیا جائے خواہ ان کی علّت و مصلحت سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔[۶]

اس بارے میں ان کا مزید کہنا ہے:

یہ تہذیب دین اور دنیا دونوں کی جامع ہے۔ اس کو عام محدود معنوں میں 'مذہب' کے لفظ سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ایک ایسا وسیع نظام ہے جو انسان کے افکار و خیالات، اس کے شخصی کردار و اخلاق، اس کے انفرادی عمل، اس کے خانگی معاملات، اس کی معاشرت، اس کے تمدن، اس کی سیاست، سب پر حاوی ہے، اور ان تمام معاملات میں جو طریقے اور قوانین خدا نے مقرر کیے ہیں، ان کے مجموعے ہی کا نام 'دینِ اسلام' یا 'تہذیبِ اسلامی' ہے۔[۷]

وہ مزید لکھتے ہیں:

اس تہذیب نے ایک ایسی قومیت بنائی ہے جس میں بلا امتیاز رنگ و نسل و زبان ہر انسان داخل ہو سکتا ہے، جس کے اندر تمام روئے زمین پر پھیل جانے کی استعداد موجود ہے، اور جو تمام بنی آدم کو ایک نظم میں پیوستہ کر دینے اور ان سب کو ایک تہذیب کا تابع بنا دینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ [۸]

آخر میں ایمان کی مجموعی خصوصیات بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

اس تہذیب کے ایمانیات میں ایک طرف وہ تمام قوتیں موجود ہیں جو انسان کے اندر اخلاق حسنہ و ملکاتِ فاضلہ پیدا کرنے والی اور ان کی پرورش اور حفاظت کرنے والی ہیں۔ دوسری طرف انہی ایمانیات میں یہ قوت بھی ہے کہ وہ انسان کو دنیوی ترقی کے لیے ابھارتے ہیں اور اس کو اس قابل بناتے ہیں کہ دنیا کے اسباب و وسائل کو بہترین طریقہ پر برتے اور ان تمام قوتوں کو اعتدال کے ساتھ استعمال کرے جو خدا نے اسے عطا کی ہیں۔ پھر یہی ایمانیات اس میں وہ تمام عمدہ اوصاف بھی پیدا کرتے ہیں جو دنیا میں حقیقی ترقی کے لیے ضروری ہیں۔ ان میں انسان کی عملی قوتوں کو منظّم کرنے اور تنظیم کے ساتھ حرکت دینے کی زبردست طاقت موجود ہے، اور اس کے ساتھ ان میں یہ طاقت بھی ہے کہ اس حرکت کو حد سے تجاوز نہ کرنے دیں، اور ان راستوں سے منحرف نہ ہونے دیں جن سے ہٹ جانا تباہی کا موجب ہوتا ہے۔ اس طرح یہ ایمانیات اپنے اندر وہ تمام خوبیاں مع شئی زائد رکھتے ہیں جو دوسرے مذہبی اور دنیوی ایمانیات میں جدا جدا پائی جاتی ہیں، اور ان تمام خرابیوں سے پاک ہیں جو مختلف مذہبی اور دنیوی ایمانیات میں موجود ہیں۔[۹]

۶۔ اِسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی، ص ۲۷۲
۷۔ اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی، ص ۲۷۳
۸۔ اِسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی، ص ۲۷۳
۹۔ اِسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی، ص ۲۷۵، ۲۷۶

مغربی تہذیب کا تشکیل کردہ معاشرہ

مولانا مودودیؒ اسلامی تہذیب کے مقابل مغربی تہذیب اور اس کے تشکیل کردہ معاشرہ کا جائزہ لیتے ہوئے مغربی معاشرے کو تین عنوانات میں تقسیم کرتے ہیں۔ [۱۰]

۱۔ عورتوں اور مردوں کی مساوات۔

۲۔ عورتوں کا معاشی استقلال (Economic Independence)

۳۔ دونوں صنفوں کا آزادانہ اختلاط

ان تین بنیادوں پر معاشرت کی تعمیر کرنے کا جو نتیجہ ہونا چاہیے بالاخر وہی ظاہر ہوا۔

مساوات کے معنی یہ سمجھ لیے گئے کہ عورت اور مرد نہ صرف اخلاقی مرتبہ اور انسانی حقوق میں مساوی ہوں، بلکہ تمدنی زندگی میں عورت بھی وہی کام کرے جو مرد کرتے ہیں اور اخلاقی بندشیں عورت کے لیے بھی اسی طرح ڈھیلی کر دی جائیں جس طرح مرد کے لیے پہلے سے ڈھیلی ہیں۔ مساوات کے اس غلط تخیل نے عورت کو اس کے ان فطری وظائف سے غافل اور منحرف کر دیا۔ جن کی بجا آوری پر تمدن کی بقا، بلکہ نوع انسانی کی بقا کا انحصار ہے۔

اس سلسلے میں وہ مزید لکھتے ہیں:

> عورت کے معاشی استقلال نے اس کو مرد سے بے نیاز کر دیا ہے۔ وہ قدیم اصول کہ مرد کمائے اور عورت گھر کا انتظام کرے۔ اب اس نئے قاعدے سے بدل گیا ہے کہ مرد و زن کمائے اور گھر کا انتظام بازار کے سپرد کر دیا جائے۔ اس انقلاب کے بعد دونوں کی زندگی میں بجز ایک شہوانی تعلق کے اور کوئی رابطہ ایسا باقی نہیں رہا جو ان کو ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہونے پر مجبور کریں۔ اور ظاہر ہے کہ محض شہوانی خواہشات کا پورا کرنا کوئی ایسا کام نہیں کہ جس کی خاطر مرد اور عورت لا محالہ اپنے آپ کو ایک دائمی تعلق ہی کی گرہ میں باندھنے اور ایک گھر بنا کر مشترک زندگی گزارنے پر مجبور ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر و بیش تر نکاحوں کا انجام طلاق یا تفریق پر ہوتا ہے۔ منع حمل، اسقاط، قتل اولاد، شرح پیدائش کی کمی اور ناجائز ولادتوں کی بڑھتی ہوئی تعداد بڑی حد تک اسی سبب کی رہین منت ہے۔ بدکاری، بے حیائی اور امراض خبیثہ کی ترقی میں بھی اسی کیفیت کا بڑا دخل ہے۔[۱۱]

مغربی معاشرے میں آزادانہ اختلاط کے بارے میں مولانا لکھتے ہیں:

> ''یہ گھن بڑی تیزی کے ساتھ مغربی قوموں کی قوت حیا کو کھا رہا ہے۔ یہ گھن لگنے کے بعد آج تک کوئی قوم نہیں بچی۔ یہ ان تمام ذہنی اور جسمانی قوتوں کو کھا جاتا ہے جو قدرت نے انسان کو زندگی اور ترقی کے لیے عطا کی ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ ہر طرف سے شیطانی محرکات میں گھرے ہوئے ہوں، جن کے جذبات کو ہر آن ایک تحریک اور ایک نئے اشتعال سے سابقہ پڑے جن پر ایک سخت ہیجان انگیز ماحول پوری طرح چھا گیا ہو، جن کے خون کو عریاں تصویریں، فحش لٹریچر، ولولہ انگیز گانے، برانگیختہ

۱۰۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، پردہ، ص ۱۲۹ ۱۱۔ پردہ، ص ۱۲۹، ۱۳۰

کرنے والے ناچ، عشق و محبت کی فلمیں، دل بہلانے والے زندہ مناظر اور صنف مقابل سے ہر وقت مڈبھیڑ کے مواقع پیہم ایک جوش کی حالت میں رکھتے ہوں' کہاں سے وہ امن، وہ سکون اور اطمینان دلا سکتے ہیں جو تعمیری اور تخلیقی کاموں کے لیے ضروری ہے۔[۱۲]

فرانس میں مغربی تہذیب کی تباہ کاریاں

مولانا مودودیؒ مغربی معاشرے اور خاندانی بربادی کی اجمالی باتوں کے بعد آگے چل کر یورپ کے ایک اہم ملک فرانس کو مثال کے طور پر پیش کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ.....ایک فرانسیسی ماہر ڈاکٹر لیرید (Dr. Laredde) کا بیان ہے کہ فرانس میں ہر سال صرف آتشک اور اس کے پیدا کردہ امراض کی وجہ سے 30 ہزار جانیں ضائع ہو جاتی ہیں اور دق کے بعد یہ مرض سب سے زیادہ ہلاکتوں کا باعث ہوتا ہے۔ صرف ایک مرض خبیث کا حال یہ ہے اور امراض خبیثہ کی فہرست صرف اسی ایک مرض پر مشتمل نہیں ہے۔ (یاد رہے کہ یہ اعداد و شمار آج سے 50، 60 برس پرانے ہیں آج کی کیا صورت حال ہوگی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔)[۱۳]

مغرب کے ٹوٹ پھوٹ کا شکار معاشرے میں مغرب نے جہاں صحت کو تباہ کیا، وہیں خاندانی نظام پر بھی ہولناک اثرات ڈالے اس کے بارے میں مولانا مودودیؒ یوں رقم طراز ہیں:

''اس بے قید شہوانیت اور آوارہ منشی کے اس رواج عام نے دوسری عظیم الشان مصیبت جو فرانسیسی تمدن پر نازل کی ہے وہ خاندانی نظام کی تباہی ہے۔ خاندان کا نظام عورت اور مرد کے اس مستقل اور پائیدار تعلق سے بنتا ہے جس کا نام نکاح ہے۔ اسی تعلق کی بدولت افراد کی زندگی میں سکون، استقلال اور ثبات پیدا ہوتا ہے۔ یہی چیز ان کی انفرادیت کو اجتماعیت میں تبدیل کرتی ہے اور انتشار (انارکی) کے میلانات کو دبا کر انہیں تمدن کا خادم بناتی ہے۔ اسی نظام کے دائرے میں محبت اور امن اور ایثار کی وہ پاکیزہ فضا پیدا ہوتی ہے جس میں نئی نسلیں صحیح اخلاق، صحیح تربیت اور صحیح قسم کی تعمیر سیرت کے ساتھ پروان چڑھ سکتی ہیں۔ لیکن جہاں عورتوں اور مردوں کے ذہن سے نکاح اور اس کے مقصد کا تصور بالکل ہی نکل گیا ہو اور جہاں صنفی تعلق کا کوئی مقصد شہوانی آگ کو بجھا لینے کے سوا لوگوں کے ذہن میں نہ ہو اور جہاں ذواقین و ذواقات کے لشکر کے لشکر بھنوروں کی طرح پھول پھول کا رس لیتے پھرتے ہوں۔ وہاں یہ نظام نہ قائم ہوسکتا ہے نہ قائم رہ سکتا ہے۔ وہاں عورتوں اور مردوں میں یہ صلاحیت ہی باقی نہیں رہتی کہ ازدواج کی ذمہ داریوں اور اس کے حقوق و فرائض اور اس کے اخلاقی انضباط کا بوجھ سہار سکیں۔ اور ان کی اس ذہنی و اخلاقی کیفیت کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ہر نسل کی تربیت پہلی نسل سے بدتر ہوتی ہے۔ افراد میں خودغرضی و خودسری اتنی ترقی کر جاتی ہے کہ تمدن کا شیرازہ بکھرنے لگتا ہے۔ نفوس میں تلون اور سیماب جوشی اتنی بڑھ جاتی ہے کہ قومی سیاست اور اس کے بین الاقوامی رویے میں بھی کوئی ٹھہراؤ باقی نہیں رہتا۔ گھر کا سکون بہم نہ پہنچنے کی وجہ سے افراد کی زندگیاں تلخ اور تلخ تر ہوتی جاتی ہیں اور ایک دائمی

۱۲۔ پردہ، ص ۱۳۱ ۱۳۔ پردہ، ص ۷۷

اضطراب ان کو کسی کل چین نہیں لینے دیتا۔ یہ دنیوی جہنم کا عذاب ہے جسے انسان اپنی احمقانہ لذت طلبی کے جنون میں خود مول لیتا ہے۔[۱۴]

خاندانی نظام کی سب سے بڑی ضرورت خود نسلِ انسانی کا بقا اور فروغ ہے۔ مولانا مودودیؒ مغربی خاندانی نظام پر کڑی تنقید کرتے ہوئے اسے نسل کش نظام قرار دیتے ہیں، لکھتے ہیں:

''بچوں کی پرورش ایک اعلیٰ درجے کا اخلاقی کام ہے جو ضبطِ نفس، خواہشات کی قربانی، تکلیفوں اور محنتوں کی برداشت اور جان و مال کا ایثار چاہتا ہے۔ خودغرض، نفس پرست لوگ جن پر انفرادیت اور بہیمیت کا پورا تسلط ہو چکا ہو، اس خدمت کی انجام دہی کے لیے کسی طرح راضی نہیں ہو سکتے۔''[۱۵]

مغربی معاشرے کی ٹوٹ پھوٹ کے حوالے سے دو مزید بنیادی نکات کی نشان دہی کرتے ہوئے مولانا لکھتے ہیں:

قدرت الٰہی نے دو زبردست شیطان مغربی قوموں پر مسلط کر دیے ہیں جو ان کو ہلاکت اور تباہی کی طرف کھینچے لیے جا رہے ہیں۔ ایک قطع نسل کا شیطان ہے اور دوسرا قوم پرستی کا شیطان۔ پہلا شیطان ان کے افراد پر مسلط ہے اور دوسرا ان کی قوموں اور سلطنتوں پر۔ پہلے نے ان کے مردوں اور ان کی عورتوں کی عقلیں خراب کر دی ہیں۔ وہ خود ان کے اپنے ہاتھوں سے ان کی نسلوں کا استیصال کرا رہا ہے۔ وہ انہیں منع حمل کی تدبیر سمجھاتا ہے، اسقاطِ حمل پر آمادہ کرتا ہے، عمل تعقیم (Sterilization) کے فوائد بتاتا ہے، جن سے وہ اپنی قوتِ تولید کا بیج ہی مار دیتے ہیں۔ انہیں اتنا شقی القلب بنا دیتا ہے کہ وہ بچوں کو آپ ہلاک کر دیتے ہیں۔ غرض یہ شیطان وہ ہے جو بتدریج ان سے خودکشی کرا رہا ہے۔

دوسرے شیطان نے ان کے بڑے بڑے سیاسی مدبروں اور جنگی سپہ سالاروں سے صحیح فکر اور صحیح تدبیر کی قوت سلب کر لی ہے۔ وہ ان میں خودغرضی، مسابقت، منافرت، عصبیت اور حرص و طمع کے جذبات پیدا کر رہا ہے۔ وہ ان کو مخاصم اور معاند گروہوں میں تقسیم کر رہا ہے۔ انہیں ایک دوسرے کی طاقت کا مزہ چکھاتا ہے کہ یہ بھی عذاب الٰہی کی ایک صورت ہے۔

تحریک آزادیِ نسواں

اس حوالے سے مسلمانوں میں تہذیبی یلغار کے طور پر جو تحریک پیدا ہوئی اسے تحریکِ نسواں کا نام دیا گیا۔ آزادیِ نسواں کی تحریک کے حوالے سے مولانا مودودیؒ بیان کرتے ہیں:

انیسویں صدی کے آخری زمانے میں آزادیِ نسواں کی جو تحریک مسلمانوں میں پیدا ہوئی اس کے اصلی محرک یہی جذبات و رجحانات تھے۔ بعض لوگوں کے شعورِ خفی میں یہ جذبات چھپے ہوئے تھے اور انہیں خود بھی معلوم نہ تھا کہ دراصل کیا چیز انہیں اس تحریک کی طرف لے جا رہی ہے۔ یہ لوگ خود اپنے نفس کے دھوکے میں مبتلا تھے۔ اور بعض کو خود اپنے ان جذبات کا بخوبی احساس تھا، مگر انہیں اپنے اصلی جذبات کو ظاہر کرتے شرم آتی تھی۔ یہ خود تو دھوکے میں نہ تھے لیکن انہوں نے دنیا کو دھوکے میں ڈالنے

۱۴۔ پردہ، ص ۷۸، ۸۰ ۱۵۔ ابوالاعلیٰ مودودیؒ، ماہنامہ دعوۃ دسمبر ۲۰۰۳ء، فروری ۲۰۰۴ء، ص ۱۵۴، ۱۵۵

کی کوشش کی۔ بہر حال دونوں گروہوں نے کام ایک ہی کیا اور وہ یہ تھا کہ اپنی تحریک کے اصل محرکات کو چھپا کر ایک جذباتی تحریک کی بجائے ایک عقلی تحریک بنانے کی کوشش کی۔عورتوں کی صحت، ان کے عقلی و عملی ارتقاان کے فطری اور پیدائشی حقوق، ان کے معاشی استقلال، مردوں کے ظلم و استبداد سے ان کی رہائی اور قوم کا نصف حصہ ہونے کی حیثیت سے ان کی ترقی پر پورے تمدن کی ترقی کا انحصار اور ایسے ہی دوسرے حیلے جو براہِ راست یورپ سے درآمد ہوئے تھے اس تحریک کی تائید میں پیش کیے گئے۔ تا کہ عام مسلمان دھوکے میں مبتلا ہو جائیں اور ان پر یہ حقیقت نہ کھل سکے کہ اس تحریک کا اصل مقصد مسلمان عورت کو اس روش پر چلانا ہے جس پر یورپ کی عورت چل رہی ہے اور نظام معاشرت میں ان طریقوں کی پیروی کرنا ہے جو اس وقت فرنگی قوموں میں رائج ہیں۔

اسلام میں خواتین کی جدوجہد کے بارے میں لکھتے ہیں:

جو لوگ ایک طرف مغربی تمدن کی پیروی کرنا چاہتے ہیں اور دوسری طرف اسلامی نظمِ معاشرت کے قوانین کو اپنے لیے حجت بناتے ہیں وہ کس قدر سخت فریب میں مبتلا ہیں یا دوسروں کو مبتلا کر رہے ہیں۔ اسلامی نظم معاشرت میں تو عورت کے لیے آزادی کی آخری حد یہ ہے کہ حسب ضرورت ہاتھ اور منہ کھول سکے اور اپنی حاجات کے لیے گھر سے باہر نکل سکے۔مگر یہ لوگ آخری حد کو اپنے سفر کا نقطہ آغاز بناتے ہیں۔ جہاں پہنچ کر اسلام رُک جاتا ہے، وہاں سے یہ چلنا شروع کرتے ہیں۔ اور یہاں تک بڑھ جاتے ہیں کہ حیا اور شرم بالائے طاق رکھ دی جاتی ہے۔ ہاتھ اور منہ ہی نہیں بلکہ خوب صورت مانگ نکلے ہوئے سر اور شانوں تک کھلی ہوئی باہیں اور نیم عریاں سینے بھی نگاہوں کے سامنے پیش کر دیے جاتے ہیں۔ اور جسم کے باقی ماندہ محاسن کو بھی ایسے باریک کپڑوں میں ملبوس کیا جاتا ہے کہ وہ چیز ان میں سے نظر آ سکے جو مردوں کی شہوانی پیاس کو تسکین دے سکتی ہو۔ پھر ان لباسوں اور آرائشوں کے ساتھ محرموں کے سامنے نہیں بلکہ دوستوں کی محفلوں میں بیویوں، بہنوں اور بیٹیوں کو لایا جاتا ہے اور انہیں غیروں کے ساتھ ہنسنے، بولنے اور کھیلنے میں آزادی بخشی جاتی ہے۔[۱۶]

مغربی نظام معاشرت کی خامیوں کو واضح کرنے کے بعد مولانا مسلمانوں کی زبوں حالی کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

افراط و تفریط کی بھول بھلیوں میں بھٹکنے والی دنیا کو اگر عدل کا راستہ دکھانے والا کوئی ہوسکتا تھا تو وہ صرف مسلمان تھا جس کے پاس اجتماعی زندگی کی ساری گتھیوں کے صحیح حل موجود ہیں۔مگر دنیا کی بدنصیبی کا یہ بھی ایک عجیب دردناک پہلو ہے کہ اس اندھیرے میں جس کے پاس چراغ تھا وہی کم بخت رتوندے کے مرض میں مبتلا ہو گیا۔ دوسروں کو راستہ دکھانا تو درکنار، خود اندھوں کی طرح بھٹک رہا ہے اور ایک ایک بھٹکنے والے کے پیچھے دوڑتا پھرتا ہے۔

۱۶۔ ابوالاعلیٰ مودودیؒ، دورِ جدید کا مسلمان، معارف فیچر، جلد۲، شمارہ ۱۴، جولائی ۲۰۰۹ء

''پردے'' کا لفظ جن احکام کے مجموعے پر بطورِ عنوان استعمال کیا جاتا ہے وہ دراصل اسلامی ضابطہ معاشرت کے نہایت اہم اجزا پر مشتمل ہیں۔ اس پورے ضابطے کے سانچے میں ان احکام کو ان کے صحیح مقام پر رکھ کر دیکھا جائے تو کوئی ایسا شخص جس میں بقدرِ رمق بھی فطری بصیرت باقی ہو، یہ اعتراف کیے بغیر نہ رہے گا کہ معاشرت میں اس کے سوا اعتدال و توسط کی کوئی دوسری صورت نہیں ہوسکتی۔ ۱۷

اس صورت حال کو بیان کرکے پردہ نفس انسانی کے ان گہرے اصلی محرکات کو نمایاں کرتے ہیں جو اسلام کے تصور خانہ داری اور طرزِ معاشرت پر گہری چوٹ کا سبب ہیں اور فرماتے ہیں کہ انسان کی فطری کمزوری ہے کہ اپنی زندگی کے معاملات میں جب وہ کوئی مسلک اختیار کرتا ہے تو عموماً اس کے انتخاب کی ابتدا ایک جذباتی غیر عقلی رجحان سے ہوتی ہے۔ اور اس کے بعد وہ اس رجحان کو معقول ثابت کرنے کے لیے عقل و استدلال سے مدد لیتا ہے۔ پردے کی بحث میں ایسی ہی صورت پیش آئی اس کی ابتدا عقلی یا شرعی ضرورت کے احساس سے نہیں ہوئی بلکہ دراصل اس رجحان سے ہوئی جو ایک غالب قوم کے خوش نما تمدن سے متاثر ہونے اور اسلامی تمدن کے خلاف اس قوم کے پروپیگنڈا سے مرعوب ہو جانے کا نتیجہ تھا۔ انہوں نے بات کو مزید وضاحت سے بیان کرتے ہوئے اس معاملے میں دیے جانے والے اصل فریب کو یوں نمایاں کیا:

سب سے زیادہ شدید اور قبیح فریب جو اس سلسلے میں دیا گیا وہ یہ ہے کہ قرآن اور حدیث سے استدلال کرکے اس تحریک کو اسلام کے موافق ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے، حالانکہ اسلام اور مغربی تہذیب کے مقاصد اور تنظیم معاشرت کے اصولوں میں زمین و آسمان کا بعد ہے۔ اسلام کا اصل مقصد جیسا کہ ہم آگے چل کر بتائیں گے' انسان کی شہوانی قوت (Sex Energy) اخلاقی ڈسپلن میں لا کر اس طرح منضبط کرنا ہے کہ وہ آوارگیِ عمل اور ہیجان جذبات میں ضائع ہونے کے بجائے ایک پاکیزہ اور صالح تمدن کی تعمیر میں صرف ہو۔ برعکس اس کے مغربی تمدن کا مقصد یہ ہے کہ زندگی کے معاملات اور ذمہ داریوں میں عورت اور مرد کو یکساں شریک کرکے مادی ترقی کی رفتار تیز کر دی جائے، اور اس کے ساتھ شہوانی جذبات کو ایسے فنون اور مشاغل میں استعمال کیا جائے جو کشمکش حیات کی تلخیوں کو لطف اور لذت میں تبدیل کر دیں۔ مقاصد کے اس اختلاف کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ تنظیم معاشرت کے طریقوں میں بھی اسلام اور مغربی تمدن کے درمیان اصولی اختلاف ہو۔ اسلام اپنے مقصد کے لحاظ سے معاشرت کا ایسا نظام وضع کرتا ہے جس میں عورت اور مرد کے دوائرِ عمل بڑی حد تک الگ کر دیے گئے ہیں، دونوں صنفوں کے آزادانہ اختلاط کو روکا گیا ہے اور ان تمام اسباب کا قلع قمع کیا گیا ہے جو اس نظم و ضبط میں برہمی پیدا کرتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں مغربی تمدن کے پیش نظر جو مقصد ہے اس کا طبعی اقتضا یہ ہے کہ دونوں صنفوں کو زندگی کے ایک ہی میدان میں کھینچ لایا جائے، اور ان کے درمیان وہ تمام حجابات

۱۷۔ ابوالاعلیٰ مودودیؒ، دورِ جدید کا مسلمان، معارف فیچر، جلد۲، شمارہ ۱۴، جولائی ۲۰۰۹ء

اٹھا دیے جائیں جو ان کے آزادانہ اختلاط اور معاملات میں مانع ہوں، اور ان کو ایک دوسرے کے حسن اور صنفی کمالات سے لطف اندوز ہونے کے غیر محدود مواقع بہم پہنچائے جائیں۔ ۱۸؎

زوجین اور خاندان ہی نہیں تمدن کی تخلیق میں صنفی کشش کو جو مقام حاصل ہے، اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ سب کچھ کس لیے ہے؟ کیا محض بقائے نوع کے لیے؟ نہیں۔ کیونکہ نوعِ انسانی کو باقی رکھنے کے لیے اس قدر تناسل کی بھی ضرورت نہیں ہے جس قدر مچھلی اور بکری اور ایسی ہی دوسری انواع کے لیے ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ فطرت نے ان سب انواع سے زیادہ صنفی میلان انسان میں رکھا ہے اور اس کے لیے سب سے زیادہ اسباب تحریک فراہم کیے ہیں؟ کیا یہ محض انسان کے لطف اور لذت کے لیے ہے؟ یہ بھی نہیں۔ فطرت نے کہیں بھی لطف اور لذت کو مقصود بالذات نہیں بنایا ہے۔ وہ تو کسی بڑے مقصد کی خدمت پر انسان اور حیوان کو مجبور کرنے کے لیے لطف اور لذت کو محض چاشنی کے طور پر لگا دیتی ہے تاکہ وہ اس خدمت کو غیر کا نہیں بلکہ اپنا کام سمجھ کر انجام دیں۔ اب غور کیجئے کہ اس معاملے میں کون سا بڑا مقصد فطرت کے پیش نظر ہے؟ آپ جتنا غور کریں گے کوئی اور وجہ اس کے سوا سمجھ میں نہ آئے گی کہ فطرت دوسری تمام انواع کے خلاف، نوع انسانی کو متمدن بنانا چاہتی ہے۔ اسی لیے انسان کے قلب میں صنفی محبت اور عشق کا وہ داعیہ رکھا گیا ہے جو محض جسمانی اتصال اور فعل تناسل ہی کا تقاضا نہیں کرتا، بلکہ ایک دائمی معیت اور قلبی وابستگی اور روحانی لگاؤ کا مطالبہ کرتا ہے۔ ۱۹؎

آگے مزید بیان کرتے ہیں کہ یہ صنفی میلان جو انسانی جسم کے ریشے ریشے اور اس کے قلب و روح کے گوشے گوشے میں رکھا گیا ہے اور جس کی مدد کے لیے بڑے وسیع پیمانے پر کائنات کے چپے چپے میں اسباب و محرکات فراہم کیے گئے ہیں۔ اس کا مقصد انسان کی انفرادیت کو اجتماعیت کی طرف مائل کرنا ہے۔ فطرت نے اس میلان کو تمدن انسانی کی اصل قوت محرکہ بنایا ہے۔ اس میلان و کشش کے ذریعے سے نوع انسانی کی دو صنفوں میں وابستگی پیدا ہوتی ہے اور پھر اس وابستگی سے اجتماعی زندگی (Social Life) کا آغاز ہوتا ہے۔

خاندان کی تاسیس

خاندان کے بارے میں مغربی فکر اور اس کے مشرقی متاثرین کا تفصیلی جائزہ لے کر اور ان پر موثر اعتراضات اٹھانے کے بعد مولانا مودودیؒ خاندان کے ادارے کو یوں ہی نہیں چھوڑ دیتے، بلکہ پھر اس بات میں خواتین کی فطرت، تمدن اور مدنیت صالحہ پر بھی تفصیل سے گفتگو کرتے ہیں گویا شجر خبیثہ پر دلیل قاطع قائم کرکے پھر اس کے مقابل شجر طیبہ کی خوبصورتی اور ثمر بار حیثیت کو بیان کرتے ہیں، وہ بڑی خوبصورتی سے خاندان اور اس کے آفاقی پہلوؤں کے ضمن میں زوجین کے فطری میلانات کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فطرت نے تمام انواع کی طرح انسان کو بھی 'زوجین' یعنی دو ایسی صنفوں کی صورت میں پیدا کیا ہے جو

۱۸۔ پردہ، ص ۱۱۷ ۱۹۔ پردہ، ص ۱۱۸

ایک دوسرے کی جانب طبعی میلان رکھتی ہیں۔ مگر دوسری انواع حیانی کا جس حد تک مطالعہ کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے صنفی تقسیم اور اس طبعی میلان کا مقصد محض بقائے نوع ہے۔ اسی لیے ان میں یہ میلان صرف اس حد تک رکھا گیا ہے جو ہر نوع کے بقا کے لیے ضروری ہے، اور ان کی جبلت میں ایسی قوت ضابطہ رکھ دی گئی ہے جو انہیں صنفی تعلق میں اس حد مقرر سے آگے نہیں بڑھنے دیتی۔ اس کے برعکس انسان میں یہ میلان غیر محدود، غیر منضبط اور تمام دوسری انواع سے بڑھا ہوا ہے۔ اس کے لیے وقت اور موسم کی کوئی قید نہیں ہے۔ اس کی جبلت میں کوئی ایسی قوت ضابطہ بھی نہیں ہے جو اسے کسی حد پر روک دے، مرد اور عورت ایک دوسرے کی طرف دائمی میلان رکھتے ہیں۔ ان کے اندر ایک دوسرے کی طرف جذب و انجذاب اور صنفی کشش کے غیر محدود اسباب فراہم کیے گئے ہیں۔ ان کے قلب میں صنفی محبت اور عشق کا ایک زبردست داعیہ رکھا گیا ہے۔ ان کے جسم کی ساخت اور اس کے تناسب اور اس کے رنگ روپ، اور اس کے لمس اور اس کے ایک جز میں صنف مقابل کے لیے کشش پیدا کر دی گئی ہے۔ ان کی آواز، رفتار، انداز و ادا، ہر ایک چیز میں کھینچ لینے کی قوت بھر دی گئی ہے۔ اور گرد و پیش کی دنیا میں بے شمار ایسے اسباب پھیلا دیے گئے ہیں جو دونوں کے داعیات صنفی کو حرکت میں لاتے اور انہیں ایک دوسرے کی طرف مائل کرتے ہیں۔ ہوا کی سرسراہٹ، پانی کی روانی، سبزہ کا رنگ، پھولوں کی خوشبو، پرندوں کے چہچہے، فضا کی گھٹائیں، شب مہ کی لطافتیں، غرض جمال فطرت کا کوئی مظہر اور حسن کائنات کا کوئی جلوہ ایسا نہیں ہے جو بالواسطہ یا بلاواسطہ اس تحریک کا سبب نہ بنتا ہو۔[۲۰]

مدنیت صالحہ کے حوالے سے بات کرتے ہوئے جہاں وہ صنفی میلان کی تعدیل کا ذکر کرتے ہیں وہیں خاندان کی تاسیس پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ تو معلوم ہے کہ تمام انواع حیوانی کی طرح انسان کو بھی زوجین یعنی دو صنفوں کی صورت میں پیدا کرنے اور ان کے درمیان صنفی کشش کی تخلیق کرنے سے فطرت کا اولین مقصد بقائے نوع ہے لیکن انسان سے فطرت کا مطالبہ صرف اتنا ہی نہیں ہے بلکہ وہ اس سے بڑھ کر کچھ دوسرے مطالبات بھی اس سے کرتی ہے۔

پرورش اولاد کے فطری تقاضے پر لامحالہ اور تقاضوں کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ ایک یہ کہ بچے کی پرورش میں ان تمام تمدنی وسائل سے کام لیا جائے جو اس کے پرورش کرنے والے کو بہم پہنچ سکیں۔ دوسرے یہ کہ بچے کو ایسی تربیت دی جائے کہ جس تمدنی ماحول میں وہ پیدا ہوا ہے، وہاں تمدن کے کارخانے کو چلانے اور سابق کارکنوں کی جگہ لینے کے لیے وہ تیار ہو سکے۔

۲۰۔ پردہ، ص ۱۱۷، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، اشاعت جون ۲۰۰۳ء

پھر تمدن جتنا زیادہ ترقی یافتہ اور اعلیٰ درجے کا ہوتا جاتا ہے، یہ دونوں تقاضے بھی اتنے ہی زیادہ بھاری اور بوجھل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ایک طرف پرورش اولاد کے ضروری وسائل و لوازم بڑھتے جاتے ہیں اور دوسری طرف تمدن نہ صرف اپنے قیام و بقا کے لیے اپنے مرتبے کے مطابق اچھے تعلیم و تربیت یافتہ کارکن مانگتا ہے، بلکہ اپنے نشو و ارتقا کے لیے یہ بھی مطالبہ کرتا ہے کہ ہر نسل پہلی نسل سے بہتر اٹھے۔

فطرت نے کسی حد تک اس مسئلے کے حل کا خود بھی اہتمام کیا ہے۔ اس نے عورت میں حسن، شیرینی، دل لبھانے کی طاقت اور محبت کے لئے ایثار و قربانی کرنے کی صلاحیت پیدا کی ہے۔ تاکہ ان ہتھیاروں سے مرد کی خودغرضانہ انفرادیت پر فتح پائے اور اسے اپنا اسیر بنالے۔ اس نے بچے کے اندر بھی ایک عجیب قوت تسخیر بھر دی ہے۔ تاکہ وہ اپنی تکلیف دہ، بربادکن، پاجیانہ خصوصیات کے باوجود ماں باپ کو اپنے دام محبت میں گرفتار رکھے۔ مگر صرف یہی چیزیں ایسی نہیں ہیں کہ بجائے خود ان کا زور انسان کو اپنے اخلاقی، فطری، تمدنی فرائض ادا کرنے کے لیے برسوں نقصان، اذیت، قربانی کرنے پر مجبور کر سکے۔[۲۱]

یہ مذہب کا معجزہ ہے کہ وہ انسان کو— مرد اور عورت دونوں کو— نوع اور تمدن کے لیے قربانی پر آمادہ کرتا ہے۔ اور اس خودغرض جانور کو آدمی بنا کر ایثار کے لئے تیار کر دیتا ہے۔

مسلمان اور مغربی عورت کا فرق

اس کے بعد مولانا مودودیؒ نے اسلام اور مغرب میں عورت کے حوالے سے جو فرق پایا جاتا ہے اس کو بیان کیا ہے۔ مغربی اور مسلم عورت کے مابین فرق کو خوبصورتی سے بیان کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ کہتے ہیں:

یہ ضرور سمجھ لیجیے کہ ہم عورت کو عورت ہی رکھ کر عزت کا مقام دینا چاہتے ہیں۔ اسے مرد بنانا نہیں چاہتے۔ ہماری تہذیب اور مغربی تہذیب میں فرق یہی ہے کہ مغربی تہذیب عورت کو اس وقت تک کوئی عزت اور کسی قسم کے حقوق نہیں دیتی جب تک وہ ایک مصنوعی مرد بن کر مردوں کی ذمہ داریاں اٹھانے کے لیے تیار نہ ہوجائے، مگر ہماری تہذیب عورت کو ساری عزتیں اور تمام حقوق عورت ہی رکھ کر دیتی ہے۔ اور تمدن کی انہی ذمہ داریوں کا بار اس پر ڈالتی ہے جو فطرت نے اس کے سپرد کی ہیں۔ اس معاملے میں ہم تہذیب کو موجودہ مغربی تہذیب سے بدرجہا زیادہ افضل اور اشرف سمجھتے ہیں اور نہایت مضبوط دلائل کی بنا پر یہ یقین رکھتے ہیں کہ ہماری تہذیب کے اصول صحیح اور معقول ہیں۔ اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ صحیح اور پاکیزہ چیز کو چھوڑ کر ہم غلط اور گندی چیز کو قبول کریں۔

شہوانیت کے اس تسلط کا اولین نتیجہ یہ ہوا ہے کہ فرانسیسیوں کی جسمانی قوت رفتہ رفتہ جواب دیتی چلی

۲۱۔ پردہ، ص ۱۲۰

جارہی ہے۔ دائمی ہیجانات نے ان کے اعصاب کمزور کر دیے ہیں۔ خواہشات کی بندگی نے ان میں ضبط اور براشت کی طاقت کم ہی باقی چھوڑی ہے۔ اور امراضِ خبیثہ کی کثرت نے ان کی صحت پر نہایت مہلک اثر ڈالا ہے۔

یہاں مولانا مودودیؒ محض انگشت نمائی کر کے نہیں رہ جاتے بلکہ بہت واضح لفظوں میں کسی مخالفت یا تنقید کی پروا کیے بغیر وہ کہتے ہیں کہ تمام انسانوں کے سامنے، خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم، اسلام کے نظام معاشرت کی تشریح کرنی ہے اور یہ بتانا ہے کہ اس نظام میں پردے کے احکام کس لیے دیے گئے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

ثانیاً ہمیں دور جدید کے ان 'مسلمانوں' کے سامنے قرآن و حدیث کے احکام اور مغربی تمدن و معاشرت کے نظریات و نتائج، دونوں ایک دوسرے کے بالمقابل رکھ دینے ہیں تا کہ یہ منافقانہ روش، جو انہوں نے اختیار کر رکھی ہے' ختم ہو اور یہ شریف انسانوں کی طرح دو صورتوں میں سے کوئی ایک صورت اختیار کر لیں۔ یا تو اسلامی احکام کی پیروی کریں' اگر مسلم رہنا چاہتے ہیں یا ان شرمناک نتائج کو قبول کرنے کے لیے تیار ہوں جن کی طرف مغربی نظام معاشرت لامحالہ ان کو لے جانے والا ہے۔

اسلامی حکومت میں خواتین کے حقوق

اسلامی حکومت میں خواتین کے حقوق کے بارے میں وہ بیان کرتے ہیں:

اسلام موجودہ زمانے کی جمہوریت سے سیکڑوں برس پہلے عورتوں کے حقِ رائے دہی کو تسلیم کر چکا ہے۔ یہ اس دور کی بات ہے جب عورتوں کی مستقل شخصیت ہی سے انکار کیا جاتا ہے اور کہا جاتا تھا کہ عورت بجز اس کے کچھ نہیں کہ وہ شیطان کی ایک ایجنٹ ہے۔ ایسے تاریک دور میں اسلام نے سب سے پہلے عورت کی شخصیت کا اثبات کیا اور اُسے اجتماعی معاملات میں رائے دینے کا حق بخشا۔ اسلامی حکومت میں ہر بالغ عورت کو ووٹ کا حق اِسی طرح ہوگا جس طرح ہر بالغ مرد کو یہ حق دیا جائے گا۔

اسلام عورتوں کو وراثت اور مال و جائیداد کی ملکیت کے پورے پورے حقوق دیتا ہے۔ ان کو اختیار ہے کہ وہ اپنی ملکیت کو صنعت و حرفت میں لگائیں اور اِس سے جو نفع ہو، اس کی بلا شرکت غیرے مالک ہوں۔ بلکہ اگر ان کے پاس وقت بچتا ہو تو ان کو اس کا بھی حق ہے کہ بطور خود کوئی کاروبار کوئی محنت مزدوری کریں اور اس کی آمدنی کی ملکیت پوری طرح انہیں حاصل ہو، ان کے شوہروں اور باپوں کو ان کے املاک پر کِسی قِسم کے اختیارات حاصل نہیں ہیں۔

اسلامی حکومت میں یہ ناقص ازدواجی قانون جو انگریزی دور میں یہاں رائج رہا ہے اور جس نے بہت سی مسلمان عورتوں کے لیے دنیا کی زندگی کو دوزخ کی زندگی بنا رکھا ہے' بدل دیا جائے گا اور اسلام کا حقیقی قانون ازدواج جاری کیا جائے گا' جو عورتوں کے حقوق و مفاد کی پُوری پوری حفاظت کرتا ہے۔

اسلامی حکومت میں عورتوں کو تعلیم سے محروم نہیں رکھا جائے گا۔ جیسا کہ غلط فہمیاں پھیلانے والے لوگوں

نے مشہور کر رکھا ہے' بلکہ ان کے لیے اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم کا انتظام کیا جائے گا۔ یہ انتظام یقیناً آج کل کے گرلز اسکولوں اور گرلز کالجوں کے طرز پر نہ ہوگا اور مخلوط تعلیم کے اصول پر تو ہرگز نہیں ہوگا' بلکہ اس میں اسلامی حدود کی پابندی کی جائے گی' مگر بہرصورت ہر شعبے میں اُونچے معیار کی زنانہ تعلیم کے انتظامات ضرور کیے جائیں گے۔۲۲

اسلام میں خواتین کے فرائض

اسلام میں خواتین کے فرائض بیان کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

''آپ کا پہلا فرض یہ ہے کہ اپنی زندگی کو اسلام کے سانچے میں ڈھالیں اور اپنے اندر سے جاہلیت کی ایک ایک چیز کو چُن چُن کر نکالیں۔ اپنے اندر یہ تمیز پیدا کریں کہ کیا چیزیں اسلام کی ہیں اور کیا چیزیں جاہلیت کی ہیں۔ پھر اپنی زندگی کا جائزہ لیں اور بے لوث محاسبہ کر کے دیکھیں کہ اس میں جاہلیت کا کوئی شائبہ تو نہیں ہے۔۲۳

اس بارے میں وہ مزید لکھتے ہیں:

''گھر کی فضا کو درست کریں۔ اس فضا میں پُرانی جاہلیت کی جو رسمیں چلی آ رہی ہیں، ان کو بھی نکال باہر کریں اور نئے زمانہ کی جاہلیت کے جو اثرات انگریزی دَور میں ہمارے گھروں میں داخل ہو گئے ہیں انہیں بھی خانہ بدر کریں۔ اس وقت ہمارے گھروں میں پُرانے زمانہ کی جاہلیت کا ایک عجیب مرکب رائج ہے۔ ایک طرف تو وہ 'روشن خیالی' ہے جو ہماری مسلمان خواتین کو فرنگیت زدہ شکل میں لا رہی ہے اور دوسری طرف اس روشن خیالی کے ساتھ ساتھ پُرانے زمانے کے جاہلانہ تخیلات مشرکانہ عقیدے اور غیر اسلامی رسمیں بھی ہماری معاشرت میں برقرار ہیں۔''۲۴

آگے لکھتے ہیں کہ اپنے بچوں کو اسلامی طرز پر تربیت دیں۔ ہماری نئی نسلیں اس لحاظ سے بڑی بدقسمت ہیں کہ گھروں کے اندر کبھی قرآن کی آواز ان کے کانوں میں نہیں پڑتی اور نہ وہ اپنی آنکھوں سے گھر کے لوگوں کو کبھی نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہیں۔۲۵

ان کا مزید کہنا ہے کہ اپنے گھر کے مردوں پر اثر ڈالیں اور اپنے شوہر، باپ، بھائیوں اور بیٹیوں کو اسلام کی زندگی کی طرف بُلائیں۔ عورتوں کو نہ معلوم' یہ غلط فہمی کہاں سے ہوگئی ہے کہ وہ مردوں کو متاثر نہیں کر سکتیں، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ عورتیں مردوں پر بہت گہرے اثرات ڈال سکتی ہیں۔ مُسلمان لڑکی اگر یہ کہنے لگے کہ اس کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شکل پسند ہے اور چرچل اور ٹرمین کی شکل پسند نہیں ہے تو آپ دیکھیں گی کہ کس طرح مسلمان نوجوانوں کی شکلیں بدلنی شروع ہو جائیں گی۔ مسلمان عورت اگر کہنے لگے کہ اسے کالے 'صاحب لوگوں' کا طرزِ زندگی مرغوب نہیں ہے بلکہ اُسے اسلامی زندگی مرغوب ہے' جس میں نماز ہو، روزہ ہو، پرہیز گاری اور حسنِ اخلاق ہو، خُدا کا خوف اور اسلامی آداب

۲۲۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، مسلم خواتین سے اسلام کے مطالبات، ص ۲۸
۲۳۔ مسلم خواتین سے اسلام کے مطالبات، ص ۱۷
۲۴۔ مسلم خواتین سے اسلام کے مطالبات، ص ۱۸
۲۵۔ مسلم خواتین سے اسلام کے مطالبات، ص ۱۹

وتہذیب کا لحاظ ہوتو آپ کی آنکھوں کے سامنے مردوں کی زندگیاں بدلنے لگیں گی۔[۲۶]

اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مسلمان خاتون ہونے کی حیثیت سے آپ شوہر، باپ، بھائی اور بیٹے، ہر ایک پر یہ واضح کر دیں کہ ہم اسلام کے اتباع میں آپ کی رفاقت کرسکتی ہیں لیکن اگر آپ کو اسلام کے حدود کی پابندی گوارا نہیں ہے تو آپ جانیں اور آپ کا کام، ہم آپ کا ساتھ نہیں دے سکتیں۔ آپ کی دنیا کے لیے اپنی آخرت بگاڑنے پر ہم تیار نہیں ہیں۔''[۲۷]

مولانا مودودیؒ عورت کو ایک الگ شخصیت ایک پوری شناخت تسلیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں:

عورت اپنی جواب دہی کے اعتبار سے خود ایک آزادانہ وجود ہے اور وہ اپنے معاملات اپنے مردوں کو سونپ کر ذمہ داری سے عہدہ برا نہیں ہوسکتیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم عورتوں سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ اپنی شخصیت کو مرد کی شخصیت میں گم نہ کریں، نہ ہی اپنے دین کو مردوں کے حوالے کریں۔ وہ مردوں کا ضمیمہ نہیں ہیں۔ ان کی اپنی ایک مستقل شخصیت ہے۔ عورتوں کو بھی مردوں ہی کی طرح خدا کے رو برو پیش ہونا ہے اور اپنے اعمال و افعال کا خود حساب دینا ہے۔ قیامت کے روز ہر عورت اپنی ہی قبر سے اٹھے گی۔ اپنے باپ یا شوہر یا بھائی کی قبر سے نہیں اٹھے گی۔ اپنے اعمال کا حساب دیتے وقت وہ یہ کہہ کر نہ چھوٹ جائے گی کہ میرا دین میرے مردوں سے پوچھو، اپنے طریق زندگی کی وہ خود ذمہ دار ہے، اور اُسے خدا کے سامنے اس بات کی جواب دہی کرنی ہوگی کہ وہ جس طریقے پر چلتی رہی، کیا سوچ کر چلتی رہی۔ لہٰذا ہم عورتوں کا سوال مردوں کے سامنے نہیں خود عورتوں کے سامنے پیش کرتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ اپنی راہِ زندگی کا فیصلہ تم خود کرو اور اس امر کا لحاظ کیے بغیر کرو کہ تمہارے مردوں کا فیصلہ کیا ہے؟ اسلام تمہیں اپنے دین کی حیثیت سے پسند ہے یا نہیں؟ اس کے اصول، اس کے حدود، اس کی عائد کی ہوئی پابندیاں، اس کی ڈالی ہوئی ذمہ داریاں، غرض ساری ہی چیزیں دیکھ کر فیصلہ کرو کہ وہ تمہیں قبول ہے یا نہیں؟ اگر ان سب چیزوں کے ساتھ قبول ہے تو سچے دل سے اس کی پیروی کرو، ادھورے نہیں بلکہ پورے اسلام کو اپنا دین بناؤ اور پھر جان بوجھ کر اس سے انحراف نہ کرو۔ اور اگر قبول نہیں ہے تو شرافت اور سچائی اسی میں ہے کہ صاف صاف اور علانیہ اسے چھوڑ دو اور اس کے نام سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کرو۔[۲۸]

اسلامی تحریک میں عورت کا کردار

مغرب کا معاشرہ اسی لیے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے کہ اس کا خاندانی نظام اب مادر پدر آزاد ہونے کے بعد بکھر چکا ہے۔ وہ اسی تہذیب کو مسلم معاشروں میں داخل کرنا چاہتے ہیں۔ اسلامی تہذیب کا جس قدر نظام بہتر ہوگا اسی قدر مغربی

۲۶۔ مسلم خواتین سے اسلام کے مطالبات، ص ۲۰، ۲۱ ۲۷۔ مسلم خواتین سے اسلام کے مطالبات، ص ۲۲، ۲۳

۲۸۔ مسلم خواتین سے اسلام کے مطالبات، ص ۲۶، ۲۷

تہذیب کی یلغار کا مقابلہ کر سکے گا۔ خاندانی نظام میں عورت کا کردار بہت ہی اہم ہے۔عورت ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کی حیثیت میں اس نظام کا سب سے اہم کردار ہے۔عورت کی اصل خوبی یہ ہے کہ وہ بے باک و بے شرم نہیں بلکہ نظر میں حیا رکھتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالی نے جنت کی نعمتوں میں عورت کا ذکر کرتے ہوئے سب سے پہلے ان کے حسن و جمال کی نہیں بلکہ حیاداری اور عفت مآبی کی تعریف فرمائی ہے۔ حسین عورتیں تو مخلوط کلبوں اور فلمی نگار خانوں میں جمع ہو جاتی ہیں بلکہ مقابلہ حسن میں تو چھانٹ چھانٹ کر لائی جاتی ہیں مگر ایک بدذوق آدمی ہی ان میں دلچسپی لے سکتا ہے۔

مولانا مودودیؒ نے مغربی تہذیب میں خاندان اور اس کے حوالے سے عورت کی ذات کو نشانہ بنانے کے پروگرام کو مکمل طور پر بے نقاب کیا۔ خاندانی نظام کو تباہ کرنے کے لیے شروع کی گئی حقوقِ نسواں تحریک کے اصل محرکات کو مسلم خواتین کے سامنے پیش کیا اور انہیں اسلام کے اصل پیغام سے روشناس کرنے کی کامیاب کوشش کی۔ اس لیے کہ ایک عورت اپنے گھر ہی نہیں پوری قوم کی تعمیر کر سکتی ہے اور خالق دو جہاں نے اس سب کو سنوارنے کی صلاحیت اس میں بدرجہ اتم رکھی ہیں۔ مولانا مودودیؒ عورت کے اس اصل کردار کی اہمیت سے واقف تھے لہٰذا اس سلسلے میں انہوں نے باقاعدہ جماعت اسلامی حلقہ خواتین کی بنیاد ڈالی۔

مسلم تہذیب میں عورت کے کردار پر مولانا مودودیؒ نے لکھا کہ مسلمان عورت دین اور دنیا میں مادی، عقلی اور روحانی حیثیات سے ترقی کے ان تمام مدارج کو حاصل کر سکتی ہے جن پر مرد ہی پہنچ سکتا ہے۔عورت ہونا اس کی راہ میں رکاوٹ پیدا نہیں کرتا آج بیسویں صدی میں دنیا اسلام سے بہت پیچھے ہے۔ افکار انسانی کا ارتقا اس مقام سے ابھی دور ہے جس پر اسلام پہنچا ہے۔مغرب نے عورت کو جو کچھ دیا ہے عورت کی حیثیت سے نہیں دیا، بلکہ مرد بنا کر دیا ہے۔عورت مغرب کی نظر میں ویسی ہی ذلیل ہے جیسے دورِ جاہلیت میں تھی۔ گھر کی ملکہ، شوہر کی بیوی، بچوں کی ماں، ایک اصلی حقیقی عورت کے لیے اُن کے ہاں اب بھی کوئی قدر نہیں۔

مولانا مودودیؒ نے عورت کے لیے تربیت کا نظام اور الگ شعبہ قائم کر کے ان کو معاشرے کا اہم ترین فرد قرار دیا ہے اور اس بات کا اظہار بھی کیا ہے کہ ہماری تحریک میں ان کی اہمیت مردوں کے برابر ہی نہیں، بلکہ بعض معاملات میں ان سے زیادہ ہے۔

اسلامی تحریک میں عورت کے کردار کے حوالے سے مولانا مودودیؒ نے لکھا کہ ہمارے اس کام میں عورتوں کی شرکت اور تعاون اتنی ہی اہمیت ہے جتنا مردوں کی شرکت اور تعاون کی ہے۔ انسانی زندگی میں آپ برابر کی حصہ دار ہیں اور زندگی کے جو پہلو آپ سے تعلق رکھتے ہیں ان میں آپ کی اہمیت کسی طرح بھی مردوں سے کم نہیں ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کی بنا پر ہر اجتماعی تحریک، عورتوں کی شرکت اور ان کے تعاون کو اہمیت دینے پر مجبور ہے۔ اسلامی تحریک تو اس کو بہت زیادہ اہمیت دیتی ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اسلام ٹھیک ٹھیک خدا کی بنائی ہوئی ساخت کے مطابق انسانی نظام زندگی کو درست کرنا چاہتا ہے۔ جس کے لیے عورتوں کا درست ہونا اتنا ہی ضروری ہے جتنا مردوں کا، لیکن اس سے بھی بڑھ کر دوسری وجہ یہ ہے کہ اسلام جس خدا کی بندگی کی طرف بلاتا ہے وہ عورتوں کا بھی ویسا ہی خدا ہے جیسا مردوں کا ہے۔''

اسلامی تحریک کے حلقہ خواتین کی کاوشوں اور مولانا محترمؒ کے لٹریچر نے مسلم خواتین کو اسلام کا صحیح شعور اور فکر وفہم عطا کی۔ یہ اس کا نتیجہ تھا کہ خواتین نے تحریری و سیاسی محاذ، خدمت خلق اور تعلیم و تربیت' غرض ہر جگہ مایوسی اور بے چارگی کو قریب نہ پھٹکنے دیا۔ سیاسی میدان میں بھی گھر گھر جا کر رائے عامہ کو ہموار کرنا، صحیح اور غلط کی پہچان کروانا اور پولنگ کے دن بیلٹ بکس کی حفاظت اپنی جان سے بڑھ کر کرنا، یہ سب حلقہ خواتین کا حیرتوں میں گم کر دینے والا باب ہے جو سید محترمؒ کی تحریر کردہ لٹریچر اور علمی کاوشوں کا مظہر ہے۔ خواتین پر سید مودودیؒ کا یہ احسان نہیں تو کیا ہے کہ انہوں نے مسلم خواتین کو ان کی گم کردہ راہ سے دوبارہ روشناس کروایا، کیوں کہ وہی تو ہیں جو ہمارے گھروں کو اسلامی تہذیب وتمدن کا گہوارا بنا سکتی اور مغرب کی تہذیبی یلغار کا بہتر مقابلہ کر سکتی ہیں۔ جدید چیلنجز میں خاندانی نظام/عورت ہی وہ اہم ترین چیلنج ہے جس کا اس وقت تہذیبوں کو سامنا ہے۔ مضبوط خاندانی نظام اسلام کا سب سے بڑا امتیاز ہے جس کی وجہ سے مغربی تہذیب اب تک ان کے گھروں کے اندر اس انداز سے داخل نہیں ہو سکی ہے جس طرح مغرب چاہتا ہے۔